کلامِ اقبال کی عصری معنویت

عامرہ رسول

Aamira Rasool

Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

Lecturer/Govt. Degree College For Women, Uch Sharif.

شازیہ یونس

Shazia Younas

Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Allama Iqbal is a known philosopher, poet and a national political leader. His poetry has a clear message for whole mankind. He did his poetry to convey his message to people. There is great difference between the era of Allama Iqbal and present time. The political senior has been change, the values has been changed and the way of thinking has been changed but in spite of all these things, Iqbal's thinking is still applicable. In this article, it is described the application of Iqbal's thinking in this era.

اقبال کے کلام کی سب سے منفرد اور الگ خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری کا خمیر قرآن و حدیث سے حاصل کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی بعض نظمیں دیگر مفکرین کی شاعری کی عکاسی کرتی ہیں مگر مجموعی طور پر ان کی شاعری اسلامی فکر سے اپنا فکری مواد حاصل کرتی ہے۔ اسلامی فکر میں ہمہ گیریت اور ہمہ عصریت کا پہلو پایا جاتا ہے اس لیے اقبال کی شاعری بھی ہر زمانے کے لیے ہے اور ہر زمانے کے انسانوں کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص رہبری و رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ اقبال کی فکر و نظر کا سر چشمہ قرآن کریم اور حدیث مبارکہ ہے۔ بہ قول پروفیسر حامدی کاشمیری:

''قرآن حکیم ان کے باطن کی عمیق گہرائیوں میں سرایت کر گیا ہے۔ یہاں تک کہ قاری ہوتے ہوئے بھی وہ خود قرآن بن گئے۔'' اور ایک عاشق اقبال محمد بدیع الزماں کی نگاہ میں'' اقبال کا کلام قرآن کی منظوم تفسیر ہے۔''(۱)

قرآن آخری کتاب الٰہی ہے اور اس کا علم تا قیامت دنیا کی رہنمائی کا سامان فراہم کرتا رہے گا۔اس لئے خود علامہ اقبال نے اس بات کی تلقین کی تھی:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار(۲)

اس لئے علامہ اقبال کے فکری امور کی تفہیم اور تخلیقی اوصاف سے واقفیت کے لئے قرآن کریم کے ازلی اور ابدی پیغامات سے واقفیت شرط اوّل ہے، ورنہ اقبال کے فکری تصورات و تخیلات تک رسائی ناممکن ہے۔علامہ اقبال نے خود فرمایا ہے:

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل روانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر(۳)

اقبال کی عصر شناس فکر نے نہ صرف عالمی دانشوری کو اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا بل کہ اس کو نئی منزلوں کا شعور بھی دیا۔ پیچ در پیچ فلسفے کی گتھیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ دانش و حکمت سے سلجھاتے ہوئے اپنے منفرد دانشورانہ خیالات سے خدا فراموش نظریوں کو اپنے پیغامِ سے انھوں نے متعارف کرایا۔ ہمہ گیریت کا نتیجہ تھا کہ فکرِ اقبال کی قوی و جری آواز نے نہ صرف اُردو اور فارسی کی لسانی آبادیوں سے داد و تحسین وصول کی بل کہ اس کی گونج پورے عالمی ادب میں سنائی دی اور اقبال کی زندگی میں ہی ان کی کتابوں کے تراجم کیے جانے لگے۔انھوں نے ادب کے بڑے بڑے ماہرین کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ مروجہ موضوعات' فرسودہ حکایات اور پامال روشوں سے ہٹ کر بھی ایک نئے نظامِ فکر و فن کا امکان ہے جس کے نغمے انسانیت کے غم کا مداوا ٹھہریں، جس کے آہنگ پر رچی ہوئی زندگی میں سوز و گداز پیدا ہو اور جس سے انسان اپنا مقام و مرتبہ اور منزل کا تعیّن کر سکے۔ زمانے کی بے ہنگم تمدنی رفتار پر قابو پا سکیں اور انجام کار میں ایک ایسے جہانِ نو کی تعمیر کر سکیں جو ایک ایسے نظریۂ حیات پر استوار ہو ، جو اصلاً تخلیق کائنات کی غایت بھی ہو اور انبیا کی دعوتِ خیر بھی، اس کی روح میں شامل ہو۔اسی تشکیل جدید کے بارے میں ڈاکٹر عبدالمغنی لکھتے ہیں:

''اقبال نے عالم انسانیت کی تشکیل جدید کا ایک نہایت وسیع اور وزنی نصب العین بھی اختیار کر لیا اور اپنی شاعری کو اس کی تعمیل کا ایک وسیلہ قرار دیا۔ پھر اپنے وقت کے دھاروں کے برخلاف ،انھوں نے اسلام جیسے انتہائی مرکب اور جامع نظریۂ حیات و کائنات کو اپنا نصب العین بنایا۔اس طرح ایک طرف اسلامی

نظامِ زندگی کا احیاء اور دوسری طرف اس احیاء کے ذریعے انسانیت کی تشکیل جدید، تفکر کی دوہری مشقت اقبال کے ذہن پر پڑی۔''(۴)

اقبال کے اس دلکش نصب العین نے جلد ہی اس کو آمادہ کر دیا کہ وہ تمام صنم کدے ویران کر دیے جائیں جہاں قومیتوں کے لات ومنات کی پرستش ہو رہی ہو، جہاں ادب کے خمار خانے میں ہوس کی نغمہ سرائی ہو رہی ہو، جہاں رنگا رنگ جنس فروش ادب کی کمین گاہیں اسی بتکدے کی سرنگوں سے ہو کر نکلتی ہوں بل کہ فکر وفن کا دیو مالائی رقبہ اُن نئی نئی اکائیوں سے وسیع تر ہو گیا، جہاں خدا فراموش نظریوں کے ایسے ایسے حامل دیوان جمع ہو گئے تھے کہ سادہ ذہنوں کو پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ پرستش کی غایت کیا ہے۔ ایسے میں اقبال نے اپنی ولولہ انگیز شعری قوت سے ان شیوالوں کی خبر لی۔ نعیم صدیقی اپنی کتاب ''اقبال کا شعلۂ نوا'' میں رقم طراز ہیں:

''اقبال نے شاعری کی سلطنت کے خدا ناشناس سنتریوں کی چاروں طرف سے باندھی ہوئی مخالف مذہب زنجیر کو توڑ ڈالا اور وہ نمازوں اور روزوں اور درود سلام اور قرآن وسنت اور فقہ وشریعت کے تمام دفتروں کو اٹھائے ہوئے فن کے جزیرے میں داخل ہو گئے۔''(۵)

عصر کے تعین میں یقیناً اقبال کی اُمیدوں کا مرکز وہ تاریخی گروہ تھا جو بغیر کسی توقف وتعطل کے زمانے میں ہدایتوں کا امین رہا۔ جس کا دامن آسمانی صحائف کی پاکیزہ ہدایتوں سے مالا مال رہا۔ جس پر انتظار کے کربناک سن وسال نہیں گزرے۔ جس نے تخلیقِ کائنات کی غایت، ہبوط آدم اور ہدایتوں کا تسلسل کے نتیجے میں زمانے اور حیات کی تقسیم نہیں کی۔ اس کے عروج وزوال اور ایام اللہ کے الٹ پھیر پر ہدایت الٰہی کی اساس پر جمع ہونا سیکھا۔ اس کی سرشت میں یہ صداقت جاں گزیں رہی کہ قوموں کا انتشار اور پراگندگی سے صرف انبیائی ہدایات بچاتی رہیں۔ اس لئے زمانے کا کوئی نام ہو، عصر کی حسابیاتی تقسیم چاہے کسی مقیاس کی گرفت میں رہے لیکن ہر عصر میں عظمتِ آدم اور خلافتِ آدم، نیابتِ الٰہی کی ذمہ داریاں یکساں رہیں گی۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

بستۂ رنگ خصوصیت نہ ہو میری زبان
نوعِ انساں قوم ہو میری وطن میرا جہاں(۶)

اس لئے آفاقی سچائیاں از کارِ رفتہ نہیں ہوتیں۔ اس لحاظ سے پرکھا جائے تو اقبال کی شاعری اور ان کے پیغام میں آفاقیت، ہمہ گیریت اور ہمہ عصریت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سید شوکت سبزواری لکھتے ہیں:

''اقبال کی خارا شگاف نظر گہری عمیق، عام اور جامع تھی۔ اس نے حیات و کائنات کا حکیمانہ مطالعہ کیا۔ ذرّے ذرّے کا دل چیر کر حقیقت تک رسائی

حاصل کی، اس لیے اقبال کی شاعری میں وسعت بھی ہے اور گہرائی بھی۔ اس کا پیغام عام ہے۔ اس کا خطاب کسی خاص ملکیت و ملت سے نہیں، دنیا کے ہر گوشے میں بسنے والا انسان اس کا مخاطب ہے۔ اس کی زبان بستہ رنگ خصوصیت نہیں۔ نوع انسان کی رہنما اور ترجمان ہے۔''(۷)

علامہ اقبال کی شاعری کی عصری معنویت مسلم ہے۔ موجودہ زمانے کے فکری مسائل کا حل علامہ اقبال کی شاعری میں پنہاں ہے، موجودہ انتشار کو اتحاد و اتفاق میں بدلنے کا حل علامہ کی شاعری میں پوشیدہ ہے۔ موجودہ بدحالی، افراتفری، بدامنی اور قومی مفاد کو ترجیح دینے اور قومیت پیدا کرنے کا حل بھی علامہ کی شاعری میں ہے۔ ذرا غور کیجیے! کیا 'اسرار و رموز' کے ابیات روشن سے فرد و جماعت کے حق واختیار' خودی کے استحکام کے لیے پیچیدہ موضوعات کی گتھیاں نہیں سلجھتیں۔ 'اسرارِ خودی' کے ابواب میں سیرتِ احمدِ مرسل کی لازوال شخصیت کی محبت کے عنوانات سے وہ کس قدر واضح نصب العین مرتب کرتے ہیں۔ خصوصاً 'جاوید نامہ' کے آخری باب میں علامہ اقبال اپنے افکار کی خوب گہرباری کرتے ہیں۔ اس مقام پر اپنے وہ خواب بانٹتے ہیں، حدیثِ مبارکہ کے مطابق: ''میری اُمت میں خواب دیکھنے والے پیدا ہوں گے''۔ علامہ اقبال نے بھی انسانیت کے ترفع کے بالعموم اور مسلمان امت کے عروج کے بالخصوص خواب دیکھے ہیں۔ اقبال اپنی جیتی جاگتی آنکھوں کے خوابوں کی تعبیر کو اپنی فکر و فن کی دولتِ بیش بہا سے آبیاری کرتے ہیں۔ آہِ سحرگاہی کی گرہ کشا لذت سے روشناس کرواتے ہیں۔ تعلیماتِ نبوت کی روشنی میں غنا و فقر کا نصاب مرتب کرتے ہیں اور غیرتِ قومی کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہیں، جو موجودہ دور کے ہر انسان کے لیے بالعموم اور مسلمان امت کے لیے بالخصوص فکری رہبری و رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ وہ دانشِ فرنگ کے محتاط اکتساب کی دعوت دیتے ہیں تاکہ مشرق والوں میں وسعتِ نظری پیدا ہو۔ بہ قول اقبال:

کھلے ہوئے ہیں غریبوں کے میخانے
علومِ تازہ کی سرمستیاں گناہ نہیں(۸)

مغربی فلسفے کی دہشت امت کے دل سے مٹاتے ہوئے کہتے ہیں:

افرنگ زخود بے خبرت کرد و گرنہ
اے بندۂ مومن تو بشیری و نذیری(۹)

اقبال سب سے بڑا مفکر اور انسانیت کا محسن ہے جس نے ابلیس کے منصوبے کا بلا کم و کاست نقشہ کھینچ کر رکھ دیا، ساتھ ساتھ اس کے چیلوں کے آدم فریب نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کا سامان فراہم کیا ہے۔ خدا فراموش نظام کی دل فریبیوں کو اپنی عمیق نگاہوں سے دیکھا اور اس کی تباہ کاریوں کو آشکار کیا۔ اس نے اپنی فکری سفر کی گذرگاہ میں اپنے اسلاف کی عظیم الشان علمی خدمات کو نہ صرف

آنکھوں سے لگایا بل کہ بڑے فخر کے ساتھ پوری دنیا کے آگے بڑے وثوق سے واضح کیا، امام غزالی کے بارے میں کہتے ہیں:

''ڈیکارٹ کی مشہور کتاب Method کا امام غزالی کی احیاالعلوم سے مقابلہ کریں اور یورپ والوں کو دکھائیں کہ ڈیکارٹ اپنے اس Method کے لیے جس نے یورپ میں نئے علوم کی بنیاد رکھی کہاں تک مسلمانوں کا ممنونِ احسان ہے''۔(۱۰)

علامہ اقبال کے کلام میں اثر ہے، جاذبیت ہے اور نغمگی ہے۔ ان کا کلام آج بھی دلوں میں ایک ولولہ پیدا کرتا ہے اور فکری ترفع کا باعث بنتا ہے۔

نکلی تو لبِ اقبال سے ہے کیا جانیے کس کی ہے یہ صدا
پیغامِ سکوں پہنچا بھی گئی دل محفل کو تڑپا بھی گئی(۱۱)

اپنی شہرہ آفاق اور زندہ جاوید نظم ''مسجد قرطبہ'' میں اقبال نے عشق کی ہمہ گیر اور لازمانی وسعت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام(۱۲)

انسان حقیقت کو عمل کے ذریعے جیتی جاگتی شکل میں محسوس کرتا ہے۔ وہ حقیقت جو محض علم تک محدود رہے، تجریدی اور غیر یقینی رہے گی، یقینی علم خود عمل میں مضمر ہوتا ہے۔ جب تک ہر تجریدی وجود عمل کے دھارے میں غرق نہ ہو جائے وہ حقیقت نہیں بن سکتا۔ عمل کے ذریعے حقائق اشیاء اور انسانی خودی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایسے گھ جاتے ہیں کہ انہیں جدا کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ وہ شخص جس کی خودی عمل سے بیگانہ رہی ہو، باوجود عمل کے ادھوری زندگی بسر کرے گا اور خود اس کا عمل بھی ادھورا رہے گا۔ عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور نیت انسانی سیرت کا کرشمہ ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے(۱۳)

اقبال کے پیش کردہ پیغامات میں یہ جو خودی کا نظریہ عموماً دہرایا گیا اور بار بار بیان کیا جاتا ہے، اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ انسان اپنا شعور، دوسرے کا شعور، اپنی پہچان اور دوسرے کی پہچان اور بالآخر ذاتِ حقیقی کا شعور و ادراک کرے اور پھر اپنے آپ کو اس کے رنگ میں ڈھالنے کی متواتر جدوجہد کرے:

زندہ یا مردہ یا جاں بلب
از سہ شاہد را شہادت کُن طلب

شاید اوّل شعورِ خویشتن
خویش را دیدن بہ نورِ خویشتن
شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے
خویش را دیدن بہ نورِ دیگرے
شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے
خویش را دیدن بہ نورِ دیگرے
شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق
خویش را دیدن بہ نورِ ذاتِ حق(۱۴)

اقبال کی نگاہ میں کائنات کی مادی حقیقتوں پر انسان کے غلبہ وتصرف کا اصل مقصد اس کی لحہ بہ لحہ روحانی نشو ونما اور صحت کاملہ کا عرفان واحساس ہے لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان اپنی خداداد صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے کائنات کے ہر ذرّے میں پوشیدہ نورِ حقیقت کی آرزو سے اپنے دل کو منور اور روح کو جلاّ بخشے، اگر ایسا نہیں تو پھر مادی تصرف چاہے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرے مگر وہ اپنی تاریک رات کو منور کرنے کے اہل نہیں ہوسکتا ہے۔موجودہ دور کا المیہ یہی ہے کہ انسان مادی تصرفات میں گُم ہو چکا ہے، کائنات کو تسخیر کر چکا ہے مگر انسانیت سے بے بہرہ ہو چکا ہے۔اس لحاظ سے علامہ اقبال کی سوچ اور فکر کی ترویج ضروری ہے۔موجودہ انسان اقبال کی فکر سے اپنے خیالات و تصورات کو بدل سکتا ہے۔مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے جو عصری معنویت کی دلیل ہیں:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیامیں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
زندگی کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا(۱۵)

عصر حاضر یقیناً اپنی تمام تر برق وبخارات کی ترقیات کے ساتھ آگے کی طرف گامزن ہے لیکن اسی رفتار پر اقبال کی نظر میں فیضان سماوی یا بالفاظ دیگر دانشِ روحانی سے محروم ہورہا ہے۔فکرِ معاش، ترجیحاتِ شکم، جلبِ زر، طمع دنیا، ہوس رانی، تفوق، نسبتی بالاتری، جھوٹی سیاست اور منافقانہ انداز فکر ونظر وہ عصری افکار واخلاق ہیں، جن کے خلاف ''ضربِ کلیم'' کی پیشانی پر اقبال نے اعلانِ جنگ کیا تھا۔یہ اعلان اقبال نے اسّی سال پہلے کیا تھا، حالاں کہ تب کچھ قدریں باقی تھیں، موجودہ دور میں ان کے اشعار علامہ اقبال کی وسعت نظری اور مستقبل بینی کی واضح دلیل ہے:

مقابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں
اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں نے امیرِ جنود
مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور
عطا ہوا ہے مجھے ذکر و فکر و جذب و سرود(۱۶)

یہ شعر اسلامی تاریخ کی ایک صداقت پر مبنی ہے لیکن جو بات کہی گئی ہے کیا اس کا اطلاق صرف عہد واقعہ کربلا، یا پھر صرف مسلمانوں تک محدود ہے۔ آج دنیا کا نقشہ اٹھا کر دیکھئے حق وصداقت کی جنگ نہیں لڑی جا رہی ہے۔ اپنی آزادی اور تحفظ دین و نسل آدم کے لئے لوگ قربان نہیں ہو رہے ہیں اگر حق وصداقت کے لئے قربانی کا سلسلہ جاری ہے تو دانشور اقبال کی فکری معنویت بھی برقرار ہے:

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی(۱۷)

علامہ اقبال کے اشعار کو کسی خاص عہد کے دائرے میں محدود نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بدلتے عہد کے ساتھ ساتھ ان کے اشعار کی معنویت بھی بڑھتی جا رہی ہے:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے(۱۸)

اسی سچائی کو قبول کرتے ہوئے سردار جعفری نے کہا تھا:

''یہ شعر اقبال کی بہت بڑی دین ہے اور بیسویں صدی کے مزاج کا ترجمان ہے۔''(۱۹)

پس کلامِ اقبال کی معنویت کسی خاص زمان و مکاں کے لیے نہیں ہے اور نہ ہی ان کا کلام کسی خاص قوم، نسل اور ملت کے ساتھ خاص کیا جا سکتا ہے۔ ان کا کلام انسانیت کے لیے۔ ہر ملت، قوم اور علاقہ کے افراد کے لیے ہے اگرچہ علامہ اقبال کے پہلے مخاطب مسلمان قوم اور ملت ہی ہیں مگر ان عمومی طور پر ان کے کلام میں ہر انسان کے لیے رہبری و رہنمائی ہے اور ان کے کلام کی عصری معنویت آج بھی اسی طرح ہے جیسے ان کے اپنے عہد میں تھی۔ موجودہ انسان افراتفری کا شکار ہو چکا، ملت اور قوم کے تصور سے دور اور ذاتی مفاد میں گھِر چکا ہے۔ موجودہ دور کے انسان کو کلامِ اقبال سے اپنی منزل کے تعیّن میں مدد مل سکتی ہے اور وہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حامدی کشمیری، پروفیسر، قرآن اور اقبال، مشمولہ: ایکسپریس، روزنامہ، لاہور، دسمبر ۲۰۰۶ء

۲۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۴ء، ص: ۴۳۵

۳۔ ایضاً، ص: ۶۸

۴۔ عبدالغنی، ڈاکٹر، عالمی ادب میں اقبال کا مقام، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع سوم، ۲۰۱۲ء، ص: ۲۴۔۶۲۳

۵۔ نعیم صدیقی، اقبال کا شعلہ نوا، لاہور: سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص: ۶۷

۶۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ص: ۸۳

۷۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، سید، اقبال: آفاقی شاعر، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع سوم، ۲۰۱۲ء، ص: ۲۴۔۶۲۳

۸۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ص: ۴۱۵

۹۔ ایضاً، ص: ۳۲۰

۱۰۔ خطوطِ اقبال، ص: ۹۸

۱۱۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ص: ۳۲۰

۱۲۔ ایضاً، ص: ۸۷

۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۳۸

۱۴۔ ایضاً، ص: ۸۴

۱۵۔ ایضاً، ص: ۳۶۷

۱۶۔ ایضاً، ص: ۹۳

۱۷۔ ایضاً، ص: ۳۲۱

۱۸۔ ایضاً، ص: ۴۲۳

۱۹۔ سردار جعفری، اقبال شناسی، س ن، ص: ۱۹

☆......☆......☆